تحقیقی مجلہ تصدیق
جلد ۱۰ شمارہ ۰۶، ۲۰۲۴

Article

The Importance of Moral Values in Sheikh Saadi's Poetry and Prose

شیخ سعدی کی نظم و نثر میں اخلاقی اقدار کی اہمیت

Dr. Ali Kavousi Nejad
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Tehran, Iran
Correspondence: alikavousi7@ut.ac.ir

ڈاکٹر علی کاوسی نژاد

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف تہران

ABSTRACT: In the Persian language and literature, special importance has been given to moral values, and Iranian poets and writers have created precious and worthy works of poetry and prose due to the importance of this topic. Among these master poets and writers, we can mention Saadi, Hafez, Ferdowsi, Attar, Khayyam, Nizami Ganjavi. Among them, the Bostan and Golestan of Sheikh Saadi Shirazi are very important. Saadi has institutionalized human and moral values in his society in the form of poetry and prose and instructive anecdotes, and the reader adheres to moral values more by reading these instructive anecdotes, to the extent that Saadi's Golestan and Bostan not only has countless fans in Iran, but has also been translated and interpreted in different languages. Bostan and Golestan have also been translated and interpreted in Urdu, and there are many translations of these two works of Sheikh Saadi in the subcontinent. In this research, we will discuss the importance of moral values from Sheikh Saadi's point of view in Bostan and Golestan.

KEYWORDS: Sheikh Saadi, Golestan, Bostan, Moral Values, Persian Literature

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/z7twes69
Received:04-01-2024
Accepted:29-06-2024
Online:01-07-2024

Copyright: © 2023 by the authors.

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

اخلاق خُلق کی جمع ہے خلق کے معانی فطرت، عادت، طبیعت اور کردار کے ہیں۔(۱) حکمائے اخلاق کی اصطلاح میں خلق، نفس کا ایسا ملکہ ہے جس سے کسی کام کا صدور بہ آسانی فکر و سوچ کے بغیر نہ ہو سکے۔ علم اخلاق سے مراد وہ علم ہے جو ایسے اصول وضع کرے جن سے انسانی کردار کی صحیح اور حقیقی قدر و قیمت کا تعین ہو سکے۔ اخلاق ناصری کے مصنف نصیر الدین طوسی نے علم اخلاق کی یوں تعریف کی ہے کہ علم اخلاق وہ علم ہے جس کے ذریعے یہ جانا جاتا ہے کہ نفس انسانی ایسی عادات کس طرح اختیار کرے کہ اس کے تمام افعال جو اس سے بالارادہ صادر ہوتے ہیں وہ اچھے اور قابل تعریف ہوں۔ اس علم کا موضوع نفس انسانی ہے کیونکہ اسی سے بالارادہ اچھے یا برے افعال صادر ہو سکتے ہیں۔(۲)

ازل سے خیر و شر کی قوتیں برسرپیکار ہیں، انسان کے اندر خیر و شر کا مادہ موجود ہے۔ جب حضرت آدم کو جنت سے نکال دیا گیا اور کرہ ارضی پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے قسم کھائی کہ انسان کو گمراہی اور ضلالت کے راستے پر چلانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اللہ نے پہلے انسان کو مٹی سے بنایا اور اس بے جان جسم کے کالبد میں اپنی روح پھونک ڈالی، اس کے بعد انسان ایک روحانی صفت یعنی نیکی اور خیر سے بہرہ ور ہو گیا۔ انسان اور حیوان میں جو فرق قائم رہتا ہے وہ انسان کی قوت ناطقہ اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہیں، انسان قضاو قدر کے ہاتھوں کسی نہ کسی حد تک مجبور اور بے بس ہے لیکن انسان کے خمیر میں جو ازلی قوت اسے ودیعت ہوئی ہے وہ سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ انسان اگر کسی حد تک اپنے موجودہ ماحول اور اپنی خلقت کی وجہ سے مجبور پیدا کیا گیا ہے تو جس قوت فیصلہ سے وہ متصف ہے وہ تو با اختیار اور باارادہ ہے۔ انسان کے سامنے اپنی مادی زندگی میں دو طرح کی شاہراہیں موجود ہیں ایک نیکی اور بھلائی کا راستہ جس پر چل کر وہ صحیح سلامت اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور دوسرا شر اور برائی کا راستہ جس سے اُسے ضلالت اور گمراہی کے سوا کوئی منزل نصیب نہیں ہو گی یعنی انسان مختار ہے کہ اپنے اندر کی موجود اور بالقوہ صلاحیتوں کی تربیت اور پرورش کرے اور دوسروں کے لیے خیر و نیکی کا سبب بنے یا اس کے برعکس وہ اپنی نکوہیدہ صلاحیتوں کے ذریعے دوسروں کے لیے عذاب اور برائی کا باعث بنے۔

اگر ہم حضرت محمد (ص) کے آسمانی عروج پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ انسان ایک ایسے مقام تک پہنچ سکتا ہے کہ فرشتے بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے جیسی کہ علامہ اقبال نے فرمایا:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

معراج اور "عروج آدم خاکی" کا جو نقشہ فارسی شعر و ادب میں پیش کیا گیا ہے اس میں آنحضرت (ص) مختلف فلکی بروج سے گزرتے ہوئے اس مقام تک پہنچتے ہیں جہاں دیگر فرشتے جیسے جبرائیل ان کی ہمراہی سے قاصر رہتے ہیں۔

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

اسلام آنے سے پہلے ایرانیوں کا مذہب زرتشتی تھا اس مذہب میں تین چیزوں پر زیادہ زور دیا جاتا تھا ایک گفتار نیک، دوسرا کردار نیک اور تیسرا پندار نیک۔ ایک طرح سے یہ اصول مثلث کے تین اضلاع ہیں جو ہر انسان کی خوبیوں کو اجاگر کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ انسان اپنے گفتار اور بولنے کی صلاحیت سے دوسروں کے لیے نیکی و اچھائی کا باعث بنتا ہے۔ اپنے اعمال اور نیک خواہشات و خیالات کے ذریعے دوسروں کے حق میں نیکی اور بھلائی کا کام کر سکتا ہے۔

اگر ایران کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو دیکھتے ہیں کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں بیرونی حملہ آوروں نے کئی دفعہ ایران پر حملے کیے۔ ایران پر پہلی دفعہ جو سب سے خوفناک حملہ ہوا وہ اسکندر مقدونی کا حملہ تھا، داریوش سوئم کے دور میں ایران رومیوں کے پاؤں تلے روندا گیا اور اسکندر کے سپاہی ایران پر قابض ہوئے اور ہخامنشی سلطنت کی شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ دوسرا بڑا حملہ مسلمانوں کے دور میں ہوا یعنی ساسانی سلطنت کے دور میں یزدگرد سوئم کے زمانے میں عربوں کا ایران پر حملہ ہوا۔ اس جنگ میں کافی لوگ مارے گئے اور فارسی زبان و ایرانی ثقافت میں کافی تبدیلی سامنے آئی۔ عربی الفاظ اور اصطلاحات فارسی زبان میں داخل ہوئیں، اسلام اور اسلامی تعلیمات نے ایرانیوں کے یہاں نشو نما پائی اور ایرانیوں نے باقاعدہ طور پر عربی زبان کے قواعد بنائے، ایرانی محققین اور علما نے عربی زبان میں بڑے نمایاں کارنامے چھوڑے چنانچہ ایک دور ایسا تھا کہ قرآن و احادیث کے جتنے بڑے مفسرین تھے اُن میں زیادہ تر ایرانی شامل تھے جو اپنے عہد کے سربرآوردہ علما میں شمار کیے جاتے تھے۔ ایرانیوں نے نہ صرف عربی اور اسلامی کلچر اور تعلیمات کو اپنی روایتی ثقافت میں شامل کیا بلکہ اس میں جدت آفرینی کی۔ در اصل عربوں کے حملے کے بعد ایران ایک ایسی سرزمین تھی جس میں اسلامی ثقافت نے فروغ پایا اور اسلامی فن تعمیر اور اسلامی فنون لطیفہ، مصوری، خطاطی میں بڑے بڑے ادیب، دانشور، خطاط اور مصور سامنے آئے۔ البتہ عربی زبان کے خلاف ایک رد عمل بھی سامنے آیا جو ہمیں ابوالقاسم فردوسی کی شاہنامہ میں نظر آتا ہے۔ فردوسی نے اپنی تیس سالہ محنت و مشقت کے ذریعے ایسی شاہکار مثنوی تخلیق کی جس میں عربی الفاظ قلیل مقدار سے ملتے ہیں چنانچہ ابوالقاسم فردوسی اپنے شاہنامہ میں کہتے ہیں:

بسی رنج بردم در این سال سی
عجم زنده کردم بدین پارسی

فردوسی کی شاہنامہ صرف ایرانی ثقافت اور کلچر اور رزمیہ صنف شعری کی نمایندگی نہیں کرتی بلکہ اس میں پہلوانی اور اساطیری پہلو پر بھی زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ یہ جوانمردی، فتوت اور عیاری سے متعلق جملہ اوصاف سے متصف ایک شاہکار تصنیف ہے۔ فردوسی کی شاہنامہ در حقیقت ایرانیوں کی ثقافت اور ان کی اخلاقیات کا ایک نمونہ ہے، زرم و بزم کی ایک ایسی آمیزش جس سے انسان متاثر رہتا ہے۔ فردوسی ضحاک کو ظالم بادشاہ کے طور پر دکھاتا ہے جس کے ظلم و ستم سے لوگ مصیبت میں ہیں اور اس کے کندھوں پر دو سیاہ سانپ نکل

آئے ہیں جن کی خوراک مظلوم طبقے کے لوگوں کا مغز ہے۔ دراصل ضحاک اور لوہار کاوہ کی کہانی میں ضحاک ظلم و ستم کی علامت ہے جسے شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں ایک غریب لوہار "کاوہ" لوگوں کی تظلم خواہی کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اپنی کمر پر بندھے ہوئے چرمین تسمے سے علم بنا کر ضحاک کی سلطنت کا شیرازہ بکھیرتا ہے۔ کاوہ، فریدون بادشاہ کے پاس پہنچتا ہے اور اس کی مراہی میں غریب اور ستم رسیدہ لوگ بھی روانہ ہوتے ہیں، فریدون ان لوگوں کی ہمت اور وجد و سرور دیکھ کر ان کی تظلم خواہی کے جذبے سے سرشار ہو کر ضحاک کو مٹانے کا عزم کرتا ہے اور آخر کار خونخوار ضحاک پر غلبہ پاتا ہے۔

ایران میں اخلاقیات کے موضوع کے حوالے سے بہت سی تصانیف وجود میں آئی ہیں۔ ان تصانیف میں سب سے پہلی اخلاقی مثنوی ابوشکور بلخی کی آفرین نامہ ہے، بعد کے ادوار میں اخلاق کے ضمن میں بہت سی نثری اور منظوم تصانیف لکھی گئی ہیں جن میں اخلاق ناصری، کلیلہ و دمنہ، مرزبان نامہ، سندباد نامہ، قابوسنامہ، کیمیای سعادت، مثنوی معنوی، عطار نیشاپوری کی اسرارنامہ اور منطق الطیر، نظامی گنجوی کی مخزن الاسرار اور سنائی و ناصر خسرو کی تصانیف سرفہرست ہیں۔ ان کے علاوہ اخلاقی موضوعات پر عربی زبان میں لکھی گئی ایرانی ادبا و علما کی اخلاقی تصانیف موجود ہیں۔

ان تصانیف کی رو سے پتا چلتا ہے کہ ایرانیوں کے اخلاق کے موضوع پر زیادہ توجہ دی ہے۔ لیکن ان تصانیف کے باوجود شیخ سعدی کی بوستان و گلستان ایک الگ اہمیت کی حامل ہیں۔ زندگی اور اخلاقی پہلوؤں پر مبنی سعدی شیرازی کی نصائح اور پند و اندرز خاص طور پر بوستان اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے قابل توجہ ہے۔ بوستان اپنے علو فکر اور معانی و مفاہیم کی گہرائی، گیرائی و رسائی کے لحاظ سے معاشرے اور اخلاقی مضامین کے دائرے میں سعدی کی سب سے عمدہ تصنیف شمار کی جاتی ہے۔ شیخ سعدی نے اپنے پینتیس سالہ سفر کے تمام تجارب، خیالات اور افکار کو حکایات اور قصوں کی شکل میں تحریر کر کے بوستان تخلیق کی اور وطن واپسی پر اسے اپنے دوستوں کو تحفے کے طور پر پیش کیا۔ سعدی نے اخلاق، تربیت، سیاست اور معاشرت پر مبنی اس شعری اور منظوم تصنیف کو دس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ انہوں نے اس شعری تصنیف کے سبب تصنیف کے بارے میں یوں کہا ہے۔

در اقصای عالم بگشتم بسی　　　　بسر بردم ایام با ہر کسی

تمتع بہ ہر گوشہ ای یافتم　　　　ز ہر خرمنی خوشہ ای یافتم

چو پاکان شیراز خاکی نہاد　　　　ندیدم کہ رحمت برین خاک باد (۳)

شیخ سعدی اپنے سفر کے دوران جن واقعات اور تجربات سے گزرے ان واقعات کو حکایات کی شکل میں بیان کرتے ہیں اور ان حکایات میں قاری دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے اپنے طرز بیان میں شوخی اور ظرافت سے کام لیتے ہیں۔ ابواب کی تقسیم کے بارے میں شیخ سعدی بوستان کے مقدمے میں یوں اشعار نظم کرتے ہیں:

یکی باب عدل است و تدبیر و رای — نگہبانی خلق و ترس خدای
دوم باب احسان نہادم اساس — کہ منعم کند فضل حق راسپاس
سوم باب عشق است و مستی و شور — نہ عشقی کہ بندند بر خود بزور
چہارم تواضع، رضا پنجمین — ششم ذکر مردِ قناعت گزین
بہ ہفتم در از عالم تربیت — بہ ہشتم در از شکرِ عافیت
نہم باب توبہ است و راہِ صواب — دہم در مناجات و ختم کتاب
بہ روزِ ہمایون و سال سعید — بہ تاریخ فرخ میانِ دو عید
ز ششصد فزون بود پنجاہ و پنج — کہ پر دُر شد این نامبر دار گنج (۴)

یوں بوستان دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب عدل و انصاف اور تدبیر رائے، دوسرا احسان، تیسرا عشق و شور و مستی، چوتھا باب تواضع، عجز و انکساری، پانچواں رضا و خشنودی، چھٹا قناعت، ساتواں تعلیم و تربیت، آٹھواں صحت و سلامت و عافیت کا شکر، نواں توبہ و استغفار و راہِ صواب اور آخری باب مناجات۔

اب ہم بوستان میں موجود اخلاقی مضامین و نصائح کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیں گے۔ سعدی کا رب بہت رحیم و معاف کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی گناہ معاف کرتا ہے اور ان کا خاص خیال رکھتا ہے حتیٰ کہ بت پرستوں اور معصیت کرنے والوں کے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔

خداوند بخشندہ دستگیر — کریم خطابخش پوزش پذیر
نہ گردن کشان رابگیرد بفور — نہ عذر آوران رابراند بجور (۵)

شیخ سعدی پہلے خدا کی حمد و ثنا سے بوستان کا آغاز کرتے ہیں اور ان کی حمد میں نہایت درجے کا خلوص، پاکی اور خضوع و خشوع موجود ہے۔ سعدی کا رب ایسا رحیم و کریم ہے جو انسان کی غفلت اور بے خبری، عمر کے ستر برس گزرنے کے باوجود بھی معاف کر دیتا ہے۔ بعض اخلاقی کہانیوں میں طنز و ظرافت موجود ہے، مثنوی جیسی بیانیہ صنف سخن کے ذریعے طنزیہ انداز میں کہانی سناتے ہیں تاکہ قاری پند و نصائح سے تھکاوٹ محسوس نہ کرے۔ ہرچند انسان اور جانور کے درمیان اشتراکات موجود ہیں لیکن اسان کو حیوان پر اس لیے برتری اور فضیلت حاصل ہے کہ وہ اشرف المخلوقات ہے اور قوت متخلیہ اور قوت ناطقہ کی نعمتوں سے آراستہ ہے۔ انسان کو دوسری مخلوقات پر اس لیے شرف حاصل ہے کہ وہ تعقل اور تفکر کی نعمت سے بہرہ ور ہے۔ نتیجہ یہ کہ انسان میں اختیار کا مادہ موجود ہے اور وہ اپنے جسمانی اور

روحانی اعمال وافعال و حرکات پر قابو پا سکتا ہے۔ سعدی انسان کی شرافت اس بات میں دیکھتے ہیں کہ اپنے شہوانی اور پست درجے کے اعمال وافعال سے دوری اختیار کرے اور اپنے اندر وہ اخلاقی صفات و خصوصیات اجاگر کرے جن سے دوسرے لوگوں کو نقصان نہ پہنچے۔

تن آدمی شریف است بہ جان آدمیت — نہ ہمین لباس زیباست نشانِ آدمیت

اگر آدمی بہ چشم است ودہان و گوش وبنی — چہ میانِ نقش دیوار و میانِ آدمیت

خور و خواب و خشم و شہوت، شغب است وجہل وظلمت — حیوان خبر ندارد زجہان آدمیت

بہ حقیقت آدمی باش وگرنہ مرغ باشد — کہ ہمین سخن بگوید بہ زبانِ آدمیت

مگر آدمی نبودی کہ اسیر دیوماندی — کہ فرشتہ رہ ندارد بہ مقام آدمیت

اگر این درندہ خویی زطبیعتت بمیرد — ہمہ عمر زندہ باشی بہ روان آدمیت

رسد آدمی بہ جایی کہ بجز خدا نبیند — بنگر کہ چہ حد است مکان آدمیت

طیرانِ مرغ دیدی توزپای بند شہوت — بدر آی تا ببینی طیرانِ آدمیت (٦)

سعدی اپنی اس غزل کے اشعار میں رسول پاک (ص) کے معراج کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب حضرت جبرائیل رسول پاک (ص) کے ساتھ ساتوں آسمان پر پہنچے تو سدرہ المنتہی کے مقام پر وہ بھی پیچھے رہ گئے اور یہی وہ مرحلہ تھا جس میں انسان اپنی منزلت اور مرتبت کے لحاظ سے آگے نکل گیا۔ انسان اگر اپنے اندر کی صفات و خصوصیات کی پرورش روحانی لحاظ سے کرے تو ایسا مرحلہ بھی آئے گا کہ وہ مجردات سے بھی آگے نکل سکتا ہے۔

لوگوں سے کنارہ کشی اور عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک ایسی نکوہیدہ صفت ہے جسے سعدی ناپسند قرار دیتے ہیں، ان کے خیال کے مطابق جو عالم معاشرے کی خدمت و فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہیں وہ ان گوشہ نشین درویشوں اور عزلت نشینوں سے کئی درجہ افضل ہیں جو اپنے نفس کی پرورش میں مصروف ہیں لیکن خود دوسروں کے کام نہیں آتے۔ سعدی کو دنیاوی سیم وزر سے کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی۔ جو لوگ اپنے حسب نسب اور مادی و دنیاوی مال ومکنت پر فخر محسوس کرتے ہیں شیخ سعدی کے خیال میں وہ روحانی سرمائے سے محروم ہیں۔

جو چیز انسان کی عظمت اور بزرگی کا باعث بنتی ہے وہ نیک اعمل اور نیک نامی ہے۔ چنانچہ سعدی فرماتے ہیں:

سعدیا مرد نکونام نمیرد ہرگز — مردہ آنست کہ نامش بہ نکویی نبرند

سعدی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو ہمیشہ اپنی محنت اور مزدوری کا پھل حاصل ہونا چاہیے اور اپنی کمائی سے بال بچوں کی پرورش کرنی چاہیے اور اسے چاہیے دوسروں کے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلائے۔ انسان اپنی زندگی میں بہت سے مسائل اور مصائب میں الجھتے ہوئے پھر بھی اپنی روزمرہ محنت و مشقت سے جو بھی حاصل کرتا ہے اس میں اسے زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔ دوسروں کے بھروسے پر رہنا اور ان سے مدد مانگنا بری بات ہے۔

سعدی بوستان کے دوسرے باب میں ایک کہانی سناتے ہیں جس میں ایک لنگڑی لومڑی شکار کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ ایک آدمی اُسے دور سے دیکھ کر سوچتا ہے کہ یہ بے بس اور بیچاری لومڑی کیسے اپنا پیٹ پالتی ہو گی، کس طرح شکار کرتی ہو گی، لومڑی بے حد عاجز اور درماندہ ہے اس انتظار میں بیٹھ کر رہتی ہے کہ شیر جو بھی شکار کر کھا جائے گا تو اس کے شکار میں سے جو کچھ بچ جائے تو وہ کھالے۔ دیکھنے والا اس سوچ میں ہے کہ کیوں نہ وہ بھی اس لومڑی کی طرح دوسروں سے اپنی روزی روٹی حاصل کرے لیکن کچھ عرصے بعد فاقہ کشی کے سبب وہ آدمی دبلا پتلا اور کمزور پڑ جاتا ہے تو اس موقعے پر سعدی موعظت اور نصیحت کا باب کھلتے ہیں:

برو شیر درندہ باش ای دغل　　مینداز خود را چو روباہ شل

چنان سعی کن کز تو ماند چو شیر　　چہ باشی چو روبہ، بہ واماندہ سیر ؟

چو شیر، آن کہ را گردنی فربہ است　　گر افتد چو روبہ، سگ از وی بہست

بہ چنگ آور و با دیگران نوش کن　　نہ بر فضلہ دیگران گوش کن (۷)

سعدی شعری پیرائے میں اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ تم بھی شیر کی طرح اپنی روزی کماؤ جو اپنے شکار سے دوسروں کو بھی کھلاتا ہے نہ کہ لومڑی کی طرح جو دوسروں کے بھروسے پر رہتی ہے اس حالت میں وہ لومڑی نہیں رہتی بلکہ اس سے کتے کا مقام بھی اوپر ہے۔

ایک اور حکایت میں کہتے ہیں کہ اپنا خفیہ راز کبھی بھی دوسروں کے سامنے فاش نہ کرو ہو سکتا ہے کہ کوئی نامحرم تمہارا راز سن لے اور تمہیں نقصان ہو جائے۔

منہ در میان راز با ہر کسی　　کہ جاسوس، ہمکاسہ دیدم بسی

سکندر کہ با شرقیان حرب داشت　　درِ خیمہ گویند در غرب داشت (۸)

شیخ سعدی کی دوسری تصنیف گلستان ہے اس کتا میں وہ اخلاقی موضوعات و مضامین پیش کرتے ہیں۔ گلستان آٹھ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب میں ایک مضمون باندھتے ہیں پہلا باب بادشاہوں کی سیرت میں، دوسرا باب درویشوں کا اخلاق، تیسرا باب قناعت کی

فضیلت میں، چوتھا باب خاموشی کے فوائد، پانچواں عشق اور جوانی، چھٹا بڑھاپے اور کمزوری، ساتواں تعلیم و تربیت اور آخری باب صحبت اور ہم نشینی۔

گلستان میں بادشاہوں کی سیرت کے باب میں سعدی کے وہ اشعار قابل غور ہیں جن کا موضوع انسان دوستی اور دوسروں سے محبت کا رشتہ قائم کرنا ہے۔ یہ وہ اشعار ہیں جو انسانوں کے درمیان محبت، دوستی اور بھائی چارے کا سبق دیتے ہیں:

بنی آدم اعضای یکدیگرند   کہ در آفرینش ز یک گوہرند

چو عضوی بدرد آورد روزگار   دگر عضوہا را نماند قرار

تو کز محنت دیگران بی غمی   نشاید کہ نامت نہند آدمی (۹)

سعدی دراصل ایک مثالی معاشرے کے خواہاں تھی جس میں انسانوں کے درمیان صلح و دوستی قائم رہے۔ انسان اپنے معاشرے میں رہتے ہوئے دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھ کر ان کی مدد کرے اور ہر حالت میں ان کے کام آئے۔ جب دنیا یا معاشرے کے ایک فرد کو تکلیف ہو گی تو دراصل تمام افراد اسے محسوس کر اس کی مدد کریں گے۔ بے شک سعدی انسان کو اخلاقیات کا سبق سکھاتے ہیں۔ جب انسان اپنے اعلیٰ وارفع مقام سے گر کر تباہ ہو جائے تو وہ انسان ہونے کے تمام فضائل سے محروم ہو جائے گا۔

گلستان کے باب اول میں شیخ سعدی بادشاہوں کی سیرت اور افعال پر روشنی ڈالتے ہیں، کئی حکایات میں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جب بادشاہ اپنی رعیت پر ظلم و ستم روا رکھے تو وہ رعیت کسی نہ کسی دن اس کے خلاف ہو جائے گی اور اس کی سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ گلستان میں دراصل سعدی عادل اور منصف بادشاہوں کو سراہتے ہیں اور عق و خرد کے اوصاف سے متصف بادشاہوں کو بڑی داد دیتے ہیں۔ گلستان میں شیخ سعدی ایک ناانصاف بادشاہ کی کہانی سناتے ہیں۔ بادشاہ ایک پرہیزگار آدمی سے پوچھتا ہے کہ عبادات اور دینی فرائض میں کونسا فریضہ افضل اور بہتر ہے تو بادشاہ کو جواب میں پرہیزگار شخص کہتا ہے کہ تمہارے لیے "خواب نیم روز" اچھا ہے کیونکہ جب تم دن بھر سو جاؤ گے تو بے چارہ مظلم لوگ تمہارے ظلم و ستم سے محفوظ ہوں گے:

ظالمی را خفتہ دید نیمروز   گفتم این فتنہ است خوابش بردہ بہ

و آنکہ خوابش بہتر از بیداری است   آن چنان بد زندگانی مردہ بہ (۱۰)

ایک حکایت میں ایک بادشاہ کہیں سے گزر رہا ہے اچانک اسے ایک درویش کسی گوشے میں بیٹھا ہوا نظر آتا ہے۔ بادشاہ درویش سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہے کہ تم نے مجھے کیوں سلام نہیں کیا تو وہ جواب دیتا ہے کہ بادشاہ رعیت کا نگہبان ہے اور مجھے بادشاہ سے کوئی غرض نہیں اس لیے میں نے سلام نہیں کیا۔

پادشہ پاسبان درویش است　　گرچہ رامش بہ فر دولت اوست

گوسپند از برای چوپان نیست　　بلکہ چوپان برای خدمت اوست

یکی امروز کامران بینی　　دیگری رادل از مجاہدہ ریش

روزکی چند باش بخورد　　خاک، مغز سر خیال اندیش (۱۱)

سعدی دوسرے باب میں درویشوں کے اخلاق کے ذیل میں ایک کہانی سناتے ہیں۔ ایک چور کسی درویش کے گھر سے چوری کرنے جاتا ہے لیکن اسے کچھ نہیں ملتا، درویش کو جب پتا چلتا ہے تو جس چٹائی پر سو رہا ہوتا ہے تو وہ چٹائی پور کے سپرد کرتا ہے تاکہ وہ بے چارہ چور محروم نہ رہ جائے۔

شیخ سعدی تیسرے باب میں قناعت کی فضیلت کے ضمن میں ایک حکایت سناتے ہیں۔ دو درویش اکھٹے سفر کر رہیں ہیں ایک درویش کم خور اور دوسرا پر خور ہے۔ دونوں ایک دن کسی شہر سے گزرتے ہیں، انہیں جاسوسی کے الزام میں قید کر لیا جاتا ہے۔ دو ہفتوں بعد پتا چلتا ہے کہ دونوں درویش بے قصور ہیں جب قید خانے میں جا کر دیکھتے ہیں تو وہ درویش جو زیادہ طاقتور تھا وہ مرا ہوا پایا جاتا ہے اور دوسرا جو کمزور تھا وہ صحیح سلامت ہے اس کہانی سے جو بات ذہن نشین ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ کسی قدر کم خوری کا طریقہ اپنالے۔

آن شنید ستی کہ در اقصای غور　　بار سالاری بیفتاد از ستور

گفت چشم تنگ دنیادوست را　　یا قناعت پر کند یا خاک گور (۱۲)

سعدی کی بوستان و گلستان کے علاوہ فارسی شعر و ادب میں اخلاقیات کے موضوع پر بہت سے نثری اور شعری فن پارے موجود ہیں جن میں اخلاقیات کو اپنا موضوع و محور بنایا گیا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ایرانیوں کی اخلاقیات کے موضوع پر زیادہ توجہ مبذول ہے۔ افسوس کہ اکیسویں صدی کی ترقی یافتہ دنیا میں اخلاقیات اور انسان دوستی کی وہ قدر و قیمت نہ رہی جو شیخ سعدی کے دور میں تھی۔ صنعتی اور ترقی یافتہ دور میں انسانی معاشرہ مختلف اخلاقی بُرائیوں کے جال میں پھنسا ہوا نظر آتا ہے۔ سچائی، شہامت اور بہادری کا وہ دور نہ رہا جس کے ذریعے انسان آج دنیا کے بڑے ظالموں اور جابر لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے اور نہ ہی مسلمانوں میں وہ غیرت و حمیت باقی رہی کہ اپنے مظلوم فلسطینی اور کشمیری بھائیوں کے حق میں آواز بلند کریں۔ انسان نہ صرف معاشرتی سطح پر مختلف مصائب سے دوچار ہے بلکہ ذاتی اور روحانی الجھنوں میں مبتلا نظر آتا ہے۔ انسانی معاشرے میں ایک بے چینی اور اضطراب کی کیفیت ہے جس کے باعث اپنی مستقبل سے غیر مطمئن نظر آتا ہے۔ غربت اور افلاس نے مسلمانوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے اور نام نہاد مسلم معاشرے کے حصار میں رہتے ہوئے انسان فاقہ کشی اور مفلسی سے دوچار ہے۔ انسانوں کے اندر اتنا تکبر اور نخوت ہے کہ وہ اپنے سے نچلے درجے کے کسی آدمی کے سلام جواب دینے سے شرم محسوس کرتے ہیں۔ جتنی بدنظمی اور بے چارگی مسلمانوں کی دنیا میں پھیل چکی ہے در

حقیقیت اس کی اصلی وجہ اخلاقیات پر توجہ نہ دینا ہے اور اسی کے باعث یہ مزید بڑھ رہی ہے۔ دنیا کی شان و شوکت نے انسان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ ذہنی اور جسمانی بیماریاں انسان کو اپنے شکنجے میں لے رہی ہیں اور معاشرے سے علم و ادب اور اخلاقیات کوچ کر رہے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ دہخدا، علی اکبر، لغت نامہ دہخدا

۲۔ صدیقی، ظہور الدین احمد، اخلاقیات ایرانی ادبیات میں، لاہور، گورنمنٹ کالج، ۲۰۰۳، صص ۲-۳

۳۔ سعدی، شیخ مصلح الدین، بوستان سعدی، تصحیح: محمد علی فروغی، تہران، انتشارات ققنوس، ۱۳۷۲ھ ش، ص ۲۱۰

۴۔ ایضاً، ص ۲۱۰

۵۔ ایضاً، ص ۲۰۵

۶۔ سعدی، کلیات سعدی، تصحیح: محمد علی فروغی، تہران، انتشارات ہرمس، ۱۳۸۵ھ ش، ص ۶۱۸

۷۔ ایضاً، ص ۲۷۹

۸۔ ایضاً، ص ۲۶۵

۹۔ سعدی، کلیات سعدی، تصحیح: محمد علی فروغی، تہران، انتشارات ہرمس، ۱۳۸۵ھ ش، ص ۳۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۵۸

۱۲۔ ایضاً، ۱۵۶